پردہ کی تحریک پر مثبت ردعمل اور عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ / جنوری ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

گزشتہ جلسہ سالانہ پر مجھے مستورات سے خطاب میں ''پردے'' کی طرف توجہ دلانے کی توفیق عطا ہوئی۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے ساتھ احمدی مستورات کے ردعمل کی جو رپورٹیں موصول ہو رہی ہیں وہ انتہائی خوش کن ہیں اور اس لائق ہیں کہ ان کو پڑھ کر دل حمد اور شکر سے بھر جائے۔ ان خواتین کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے جنہوں نے اللہ اور رسولؐ کے نام پر کی جانے والی تحریک کو سعادت مندی کے ساتھ اور عہدِ بیعت کو وفاداری کے ساتھ نباہتے ہوئے قبول کیا اور غیر معمولی قربانی کے مظاہرے کئے۔

بڑی کثرت کے ساتھ مختلف جماعتوں کے عہدیداران کے بھی اور خود ان مستورات کے بھی خطوط آ رہے ہیں جنہوں نے اپنی غفلتوں پر اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کی اور بڑے ہی درد کے ساتھ توبہ کی اور آئندہ کے لئے یہ عہد کیا کہ وہ انشاء اللہ تعالیٰ اسلام کی ہر تعلیم پر پوری طرح کاربند رہیں گی۔

یہ خطوط ایسے ایسے عجیب قلبی جذبات اور کیفیات پر مشتمل ہوتے ہیں کہ ناممکن ہے کہ ان کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور ان خواتین کے لئے دل سے دعائیں نہ نکلیں۔ ان خطوط میں بعض ایسے

واقعات بھی بیان ہوتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر از جماعت سوسائٹی پر بھی اس تحریک کا گہرا اور وسیع اثر پڑا ہے اور وہ یہ ماننے پر مجبور ہوگئی ہے کہ اگر آج کسی جماعت نے اسلامی قدروں کو زندہ رکھا تو وہ جماعت احمدیہ ہوگی۔

ایک خط میں، جس میں انہی باتوں کا ذکر تھا، ایک دلچسپ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کچھ بچیاں جو پہلے بے پردہ تھیں انہوں نے اس تحریک کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حیرت انگیز تبدیلی کا مظاہرہ کیا۔ ایک اور خاندان کی بچیاں جو پردہ کرتی ہیں انہوں نے جب اپنی غیر احمدی سہیلیوں کو یہ واقعات سنائے اور یہ مثالیں بتائیں تو ان کی والدہ لکھتی ہیں کہ ان میں سے دو لڑکیاں بے اختیار کہہ اٹھیں کاش! ہم بھی کسی احمدی گھرانے میں پیدا ہوئی ہوتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج احمدی عورت احمدیت کی تاریخ میں ایک نئے سنہری باب کا اضافہ کر رہی ہے اور جس طرح بعض دفعہ بادلوں میں سے گزرتے ہوئے معلوم نہیں ہوتا کہ ہم بادلوں میں سے گزر رہے ہیں اسی طرح بعض تاریخ ساز ادوار ایسے ہوتے ہیں جن میں سے گزرتے ہوئے انسان پوری طرح محسوس نہیں کر سکتا کہ ہم کتنے عظیم تاریخی دور سے گزر رہے ہیں۔ ہاں، جب مؤرخ بعد میں ان واقعات کو دور سے دیکھتا ہے تو اس کا دل ان سے متاثر ہوتا ہے اور اس کا قلم ان قوموں کو خراج تحسین ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جن کو وہ دور سے ایک خاص بلندی پر چمکتا ہوا دیکھتا ہے۔

لیکن مذہبی قومیں جب اپنی تاریخ میں نئے ابواب کا اضافہ کرتی ہیں یا پرانے مٹے ہوئے ابواب کو دوبارہ اجاگر کرتی ہیں تو ان کی نظر کسی انسان کی تحسین پر نہیں پڑا کرتی، وہ اس بات سے بے نیاز ہوتی ہیں کہ دنیا ان کو پہلے کیا سمجھتی تھی اور اب کیا سمجھے گی، وہ اس بات سے مستغنی ہوتی ہیں کہ مستقبل کا مؤرخ ان کو کس نظر سے دیکھے گا اور اس کا قلم ان کی تعریف میں کیا کیا جولانی دکھائے گا۔ ان کی نظر محض اپنے رب رحیم و کریم کی رحمت پر اور اس کے پیار پر پڑا کرتی ہے اور ان کے لئے بس وہی کافی ہوتا ہے۔

پس ہمیں اپنے رب کے حضور گریہ وزاری کے ساتھ ہمیشہ یہی التجا کرتے رہنا چاہئے کہ ہمارے تمام نیک اعمال جو اسی کے فضلوں سے ہمیں کرنے کی توفیق ملتی ہے محض اسی کی رضا کی خاطر ہوں اور اگر چہ دنیا کا قانون جاری و ساری رہے گا اور دنیا ہماری تعریف میں رطب اللسان ہو جائے

گی لیکن اس تعریف کی ہمیں ایک ذرہ بھی پرواہ نہیں ہونی چاہئے۔ ہماری تمام تر توجہ اپنے رب کی رضا کی طرف رہنی چاہئے کیونکہ اس کی محبت اور پیار کی ایک نظر انسان کی دنیا بھی سنوار دیا کرتی ہے اور اس کی عاقبت بھی سنوار دیا کرتی ہے۔

پس احمدی خواتین کو بھی ہمیشہ یہی مقصود بنالینا چاہئے کہ قطع نظر اس کے کہ ان کے معاشرے نے ان کے کسی فعل پر کیا ردعمل دکھایا، اس بات سے بے پرواہ ہو کر کہ ان کے خاوندوں اور بھائیوں اور بہنوں نے انہیں کس حال میں دیکھا اور اس بات سے مستغنی ہو کر کہ جماعتی اداروں نے ان کی تحسین کی یا نہ کی، وہ اس یقین کے ساتھ زندہ رہیں کہ جو فعل انہوں نے محض رضائے باری تعالیٰ کی خاطر کیا ہے اس کے نتیجے میں اللہ کے پیار کی نظریں ان پر پڑ رہی ہیں اور جس انسان پر خدا کے پیار کی نظریں پڑ جائیں وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ محض اس کی محبت میں سرشار ہو کر محض اس کی رضا کی خاطر ہم پہلے سے بڑھ کر نیکیوں کی طرف قدم مارتے رہیں۔

اس ضمن میں میں دو باتیں ایسی کہنا چاہتا ہوں جن میں سے ایک کا تعلق لجنہ کی تنظیم سے ہے اور دوسری کا تعلق مردوں سے ہے۔ لجنہ کی تنظیم کو چاہئے کہ اس صورت حال سے پورا فائدہ اٹھائے۔

حقیقت یہ ہے کہ نیکی کسی منزل کا نام نہیں بلکہ ایک سفر کا نام ہے۔ کسی مقام کو نیکی نہیں کہتے بلکہ ایک حرکت کو نیکی کہتے ہیں۔ یہ اسی وقت تک نیکی رہتی ہے جب تک جاری وساری رہے۔ جہاں وہ کھڑی ہو جائے وہاں وہ نیکی کا نام پانے سے بھی محروم ہو جاتی ہے اور نیکی کی تعریف سے نکل جاتی ہے۔ پس ہر نیکی کو ایک اور نیکی کی شکل میں ڈھلنا چاہئے اور ہر خوبی کو ایک نئی خوبی کو جنم دینا چاہئے اس لئے جماعتی تنظیموں کا کام ہے کہ ہر وہ دل جس میں تھوڑی سی پاک تبدیلی بھی پیدا ہوئی ہو اس کے لئے آئندہ نیکی کی راہیں آسان کریں اور آئندہ نیک قدم اٹھانے کے سلسلہ میں ایسے افراد کی رہنمائی اور مدد کریں۔ وہ تمام احمدی بچیاں اور خواتین جنہوں نے پردے کے سلسلے میں نیک قدم اٹھایا ہے، ان کے دل میں اس وقت خاص طور پر نیک آواز کو قبول کرنے کا مادہ پیدا ہو چکا ہے اور ان کی توجہ اپنے رب کی طرف ہے اور وہ اس خیال سے لذت یاب ہو رہی ہیں کہ ہم نے خدا کی رضا کی خاطر یہ قدم اٹھایا ہے۔ پس اس وقت اگر لجنہ اماء اللہ ان کو مزید قربانیوں کی راہیں دکھائے اور ان کی تربیت کا

انتظام کرے اور ان کو نیک کاموں میں اپنے ساتھ شامل کرے تو انشاء اللہ یہ ایک نیکی آئندہ دس نیکیوں پر منتج ہوگی اور وہ دس نیکیاں آئندہ سینکڑوں نیکیوں پر منتج ہوں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کو نیک کاموں سے وابستہ کرنا اس پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔ اس لحاظ سے جماعت کی تمام تنظیمیں اس بات کی ذمہ دار ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ممبران کو نہ صرف نیک کاموں کی طرف بلائیں بلکہ ان پر ذمہ داریاں ڈالنے کی کوشش کریں کیونکہ ذمہ داری کا احساس بھی انفرادی تربیت میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر آپ خصوصیت سے پچھلی دو نسلوں کو دیکھیں جو جماعت احمدیہ میں تنظیموں کے قائم ہونے کے بعد پیدا ہوئیں تو بلاشبہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہزار ہا احمدی عورتیں اور مرد ایسے ہیں کہ اگر وہ ذمہ داری کے کام سے الگ رہتے اور ان کے سپرد یہ کام نہ کئے جاتے تو ان کی تربیت کی شکلیں آج کی تربیت کی حالت سے بالکل مختلف ہوتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعت کے جتنے بھی عہدیدار ہیں خواہ وہ سیکرٹریان مال ہوں، خواہ وہ صدران ہوں، خواہ ان کو آپ زعیم کہیں یا قائد کہیں یا لجنہ کی سیکرٹریات ہوں وہ سب کے سب اس بات کے گواہ ہیں کہ اگر ان پر جماعتی ذمہ داریوں کے بوجھ نہ ڈالے جاتے تو ان کی انفرادی تربیت کی حالت موجودہ تربیت کی حالت سے ضرور مختلف ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ نیک کام کرنے کی توفیق پانا اور نیک کام کروانے کی توفیق پانا، یہ بھی دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جب لجنہ تربیت کرتی ہے تو نیک کام کرنیکی توفیق پاتی ہے اور جب دوسروں سے کام لیتی ہے تو نیک کام کروانے کی توفیق پاتی ہے۔ اور جس شخص کو نیک کام کروانے کے لئے اپنے وقت کی قربانی کا مزا آنا شروع ہو جائے وہ بہت تیزی کے ساتھ روحانی میدانوں میں ترقی کرنے لگتا ہے۔ پس لجنہ کو چاہئے کہ ان بچیوں کے سپرد دینی کام کریں، دین کی خدمت کے کام ان کو سونپیں، ان کو اپنے وقت کا بہتر مصرف بتائیں، ان کو نیکی کرنے کی مزید لذتوں سے آشنا کریں، ان پر چھوٹی چھوٹی ذمہ داریاں ڈالیں تا ان کو یہ خیال نہ رہے کہ ہم اور چیز ہیں اور لجنہ کی عہدیداران کوئی اور چیز ہیں، وہ حکم دینے والی ہیں اور ہم حکم قبول کرنے والی ہیں بلکہ چاہئے کہ ان کو ہر نیکی کے کام میں شامل کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ لجنہ کے کام اتنے زیادہ بڑھ گئے ہیں کہ ان کی انجام دہی اب لجنہ کی چند عہدیداروں کے بس کی بات نہیں رہی اس لئے انہیں اپنی ضرورت کی خاطر بھی مزید کارکنات

چاہئیں۔ پس اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر وہ اپنے دائرہ کار کو بڑھائیں اور بچیوں کو چھوٹی چھوٹی ذمہ داریاں تقسیم کریں تو مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ لجنہ کے کاموں میں بھی برکت پڑے گی اور ان بچیوں کی ساری زندگی بھی سنور جائے گی۔

ہماری ان بچیوں نے ایک ایسا فیصلہ کیا ہے جس کے نتیجے میں ان کی سوسائٹی کا ایک رخ بدلنے والا ہے کیونکہ جو آزاد لڑکیاں تھیں وہ آزاد سوسائٹی میں جایا کرتی تھیں۔ وہاں ان کے وقت کے کچھ مصرف تھے، وہاں ان کے لئے دلچسپی کے کچھ سامان تھے، اب جبکہ انہوں نے خدا کی خاطر ان راہوں سے منہ موڑا ہے تو ہمارا اور بھی زیادہ فرض ہے کہ ان کے لئے بہتر لذتوں کے سامان پیدا کریں اور ان کے وقت کا بہتر مصرف ان کو بتائیں۔ پس لجنہ اماء اللہ اگر تمام دنیا میں ایک باقاعدہ سکیم کے تحت ان بچیوں اور ان عورتوں کو بھی جنہوں نے غیر معمولی عزم اور ہمت اور حوصلے کے ساتھ اپنی زندگی کو بدلنے کا فیصلہ کیا ہے، آگے بڑھ کر ان کا استقبال کریں اور نظام جماعت میں ان کو جذب کریں اور ان سے خدمت لیں اور ان کو بتائیں کہ زندگی کا اصل لطف دین کی خدمت میں ہے اور اس کے مواقع مہیا کریں تو میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ جماعت کے مستقبل کے لئے یہ قدم بہت ہی بابرکت ثابت ہوگا۔

مردوں سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عورتوں کو پردے کی تعلیم اس لئے نہیں ہے کہ وہ مردوں کی غلام بنائی جائیں۔ خدا تعالیٰ نے عورتوں کو اپنی عصمت کی حفاظت کی تلقین اس لئے نہیں فرمائی کہ وہ مردوں کی باندیاں بنادی جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت کے حقوق خدا کی نظر میں برابر ہیں مگر چونکہ ان کی خلقت میں کچھ فرق ہے اور ان کی تخلیق کے تقاضے کچھ مختلف ہیں اس لئے بعض ذمہ داریاں ان مختلف تقاضوں کے پیش نظر بدل جاتی ہیں اور تعلیمات کے کچھ حصے بھی اسی فرق کے پیش نظر مختلف ہو جاتے ہیں لیکن جہاں تک حقوق کا تعلق ہے مرد اور عورت کے حقوق میں ایک ذرہ بھی فرق نہیں ہے۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر بہت تکلیف پہنچتی ہے کہ معاشرے کے بداثرات کے نتیجے میں جماعت احمدیہ میں بھی بہت سے مرد ظالم ہیں۔ وہ اپنی عورتوں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کا کام صرف یہ ہے کہ وہ بچے پیدا کرنے والی مشینیں بن جائیں اور ہماری خاطر ہر قسم کے دکھ اٹھائیں اور ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کریں اور اُف تک نہ کریں اور پھر بھی اگر ادنیٰ سا شکوہ بھی

ان کے خلاف پیدا ہو تو وہ گویا ان کو مارنے کا بھی حق رکھتے ہیں۔ایسی بہت سی مثالیں سامنے آ کر دل کو انتہائی تکلیف پہنچتی ہے۔

ابھی حال ہی میں لاہور میں مستورات کی ایک مجلس سوال و جواب منعقد ہوئی جس میں انہیں موقع دیا گیا کہ وہ عورتوں سے متعلق مسائل وغیرہ پوچھیں۔ایک خاتون نے سوال کیا کہ کیا عورتیں مردوں کی جوتیوں کے طور پر پیدا کی گئی ہیں؟اس خاتون کے سوال میں بڑا درد تھا۔مجھے بہت تکلیف پہنچی کہ جواس نے نہیں کہا وہ بھی اس سوال کے پس منظر سے ظاہر تھا۔اس کو میں نے کہا کہ مرد عورتوں کی جوتیوں کے نیچے ہیں اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے قدموں تلے جنت رکھ دی ہے۔اس لئے تم نے جو سمجھا غلط سمجھا۔لیکن میں جانتا ہوں کہ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟

دنیا میں کچھ ایسے بد بخت بھی ہوتے ہیں جو ماؤں کے قدموں سے جنت کی بجائے جہنم لیتے ہیں اور بجائے اس کے کہ عورت کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کریں وہ نہ صرف یہ کہ خود ظالم بنتے ہیں بلکہ دنیا کے سامنے اسلام کو بھی ایک ظالم مذہب کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ان بدمثالوں نے اس کثرت کے ساتھ اسلام کی بدنامی کے سامان مہیا کئے ہیں کہ باہر کی دنیا یہ سمجھتی ہے کہ اسلامی تہذیب محض مرد کی خدائی اور حکمرانی کا نام ہے اور اسلامی تہذیب نام ہے عورت کو انتہائی ذلت کے ساتھ زندگی پر مجبور کرنے کا۔غیر مسلم،''اسلام'' نام سمجھتے ہیں زنجیروں کا، رسم ورواج کی زنجیروں کا اور ظلم وتشدد کی زنجیروں کا جن میں مسلمان عورت باندھی جاتی ہے اور مرد اس پر راج کرتا ہے۔

یہ تصور آخر اہل مغرب کے دل میں کیوں پیدا ہوا؟ یہ درست ہے کہ بہت حد تک اسلام کے تاریک زمانوں کی تاریخ اس تصور کو پیدا کرنے کی ذمہ دار ہے لیکن وہ تاریک زمانے تو چلے گئے اب تو روشنی کا دور آ گیا۔اب تو اسلام کی از سر نو عظمتوں کی خاطر،اسکی بلندی کی خاطر اور اس کی رفعتوں کی خاطر احمدیت کا سورج طلوع ہوا ہے۔پس مذہبی نقطۂ نگاہ سے بھی اندھیروں کے دور ختم ہوئے اور دنیا کے نقطۂ نگاہ سے بھی زمانہ ایسے دور میں داخل ہو چکا ہے کہ اس قسم کے خیالات قصۂ پارینہ بن رہے ہیں اور ہر جگہ عورت بیدار ہو رہی ہے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہی ہے۔

پس اس دور میں بھی اگر ظلم وتشدد کی ایسی مثالیں نظر آئیں تو وہ لوگ بہت ہی بدقسمت ہوں

گے جن کی وجہ سے آج جب کہ اسلام کے چہرے سے داغ دور کرنے کا وقت ہے کچھ لوگ نئے داغ اسلام کے چہرے پر لگا رہے ہیں۔

بعض مردوں کی یہ بدقسمتی صرف پاکستان اور ہندوستان کی جماعتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیا کی دوسری جماعتوں سے بھی ایسی دردناک تکالیف کی شکایتیں ملتی ہیں اور جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت حد تک مرد کا قصور تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے دورے کے دوران ایک ملک میں ایک کمیشن مقرر کیا جو ان حالات کا جائزہ لے اور رپورٹ کرے کہ کیوں خانگی معاملات میں یہ تکلیف دہ صورتیں پیدا ہو رہی ہیں؟ تو اس کمیشن نے جو بڑے ذمہ دار آدمیوں پر مشتمل ہے، مجھے رپورٹ کی کہ ہمارے جائزے کے مطابق اکثر و بیشتر مرد کا قصور ہے۔

مرد کے ان اقدامات کے نتیجے میں اگر عورت آزادی کی طرف مائل ہو یعنی اسلام سے باہر کی آزادی کی طرف اور ان ظالمانہ اقدامات کے خلاف اس رنگ میں بغاوت کرے کہ وہ بغاوت بالآخر اسلام کے خلاف بغاوت پر منتج ہو جائے تو یہ سارے مرد خدا کے حضور جوابدہ اور ذمہ دار ہوں گے۔

تحقیق کے بعد جو واقعات معلوم ہوئے ہیں وہ تو ایک دردناک کتاب ہے اور یہ موقع ہی نہیں اور نہ وقت ہے کہ میں ان کا تفصیلی ذکر کر سکوں۔ صرف ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں تا کہ آپ کو اندازہ ہو کہ اس دنیا میں آج کے دور میں بھی مرد عورت کے خلاف کیسا سفاکی کا معاملہ کر رہا ہے۔

بہت پرانی بات ہے جبکہ میں ربوہ میں قائد مجلس خدام الاحمدیہ ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے اطلاع ملی کہ ایک احمدی نوجوان جو فوج میں ملازم تھا اور چھٹی پر آیا ہوا تھا دریا کے کنارے جہاں دریا نے چھوٹی چھوٹی جھیلیں بنائی ہوتی ہیں نہاتے ڈوب گیا ہے اور تلاش کے باوجود اس کی لاش دستیاب نہیں ہو سکی۔ چنانچہ میں بھی وہاں گیا اور لاش تلاش کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر وہ آدمی ایک چٹان کی تہ میں پھنسا ہوا نظر آیا۔ چنانچہ میں نے اس کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اس کی لاش کو وہاں سے باہر نکالا۔ یہ واقعہ بڑا دردناک تھا لیکن اس واقعہ کی کوکھ سے بعض اور دردناک باتوں نے جنم لینا تھا جو اب میرے سامنے آئیں۔ اس شخص کی بیوہ نے بڑے دردناک اور تکلیف دہ حالات میں اپنی اس بچی کی پرورش کی جو یتیم رہ گئی تھی۔ سکول میں ٹیچر ہوئی، قربانیاں دیں، دکھ کا بڑا لمبا زمانہ نہایت صبر کے

ساتھ کاٹا اور بہت کچھ جمع کیا، صرف اس لئے کہ اس بچی کی زندگی بن جائے۔ اس بچی کی شادی ایک ایسے بدقسمت انسان سے کی گئی جس نے مطالبہ کیا کہ مجھے غیر ممالک میں بھجواؤ تا کہ میں اس کی زندگی بہتر بناؤں۔ اس بچی کی ماں نے اپنی ساری عمر کی جو پونجی جوڑ جاڑ کر رکھی ہوئی تھی، بیچ کر اس کے باہر جانے کا انتظام کیا۔ چنانچہ وہ غیر ممالک میں تعلیم کے لئے چلا گیا اور آہستہ آہستہ اس نے رابطہ توڑ دیا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ واپس آ گیا ہے اور اپنا پتہ بھی نہیں بتا رہا اور جس طرح ماں نے بیوگی کا زمانہ کاٹا تھا اسی طرح اس کی بچی خاوند کی زندگی میں بھی ایک قسم کی بیوگی کے عالم میں زندگی بسر کر رہی ہے اور اس کا ایک بچہ بھی ہے۔

یہ ایسے واقعات تو نہیں جن کے متعلق انسان یہ کہہ سکے کہ ان کے مرتکب لوگ اللہ تعالیٰ کی عقوبت کے نظام سے بچے رہیں گے۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل کو ظلم اور درد کا شکار بنا دینا انتہائی سفاکی ہے۔ اس سفاکی کے جو بھی موجبات اور محرکات ہیں انہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن اس قسم کے واقعات جس سوسائٹی میں ہو رہے ہوں وہ اس سوسائٹی کے لئے ناسور بن جاتے ہیں۔ پھر وہ ناسور پھیلتے ہیں اور ان کے دکھ دور دور تک محسوس ہوتے ہیں۔

ہم نے تو تمام دنیا کے سامنے اسلام کے اعلیٰ معاشرے کے نمونے پیش کرنے ہیں۔ ہم تعلیم کے میدان میں خواہ کتنی بھی ترقی کر جائیں، اسلام کے احکامات کے فلسفے سے متعلق کتنی ہی دلنشین تقریریں کیوں نہ کریں، جب تک ہمارے قول کی تائید میں ہمارا عمل ایک نمونہ پیش نہ کر رہا ہو دنیا پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب بھی مجھے باہر اسلامی تعلیم کے متعلق گفتگو کرنے کا موقعہ ملا بلا استثنا آخر پر ہمیشہ یہی سوال ہوا کرتا تھا کہ جو کچھ آپ نے بتایا ہے وہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر اس کے عملی نمونے تو دکھائیں۔ اگرچہ یہ تعلیم بہت پیاری ہے لیکن اگر یہ قابل عمل ہی نہیں تو ہمیں اس تعلیم کے متعلق کیا باتیں سناتے ہیں۔

صرف باہر ہی نہیں بلکہ ابھی حالیہ سفر لاہور میں مختلف اہل فکر سے گفت وشنید کے دوران جب ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ کے نظریات سے متاثر ہوا تو ان میں سے ایک شخص نے یہی سوال کیا کہ آپ نے اسلام کے بارے میں جو تصورات پیش کئے ہیں وہ بہت خوشکن ہیں اور توجہ کو کھینچ رہے ہیں لیکن عملاً اس کی کوئی تصویر دنیا میں ہے بھی یا نہیں؟ اور اگر کروڑ ہا

مسلمان دنیا میں بس رہے ہوں اور ایک چھوٹی سی بستی میں اس تصویر کی کوئی جھلک دکھائی نہ دے تو باہر کی دنیا کو آپ کس طرح اسلام کی طرف بلا سکتے ہیں؟ جن امور سے متعلق وہ گفتگو تھی ان کے کچھ نمونے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ربوہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ میں نے ان کو توجہ دلائی اور بتایا کہ اگرچہ ساری دنیا میں ہم پر بے شمار بوجھ ہیں اور خواہش کے باوجود تمام انسانی حقوق ادا کرنے کی ہم استطاعت نہیں رکھتے۔ پھر بھی جو باتیں ہم کہتے ہیں ان کا کسی قدر نمونہ آپ کو ربوہ میں مل سکتا ہے۔ میں نے ان کو تفصیل بتائی اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے مطمئن ہو گئے۔

لیکن جہاں تک اسلامی معاشرے میں عورت کے مقام کا تعلق ہے، امر واقعہ یہ ہے کہ جب تک غیر معمولی طور پر پاکیزہ اور خوش حال اور جنت نشان سوسائٹی ہم پیدا نہیں کرتے اس وقت تک دنیا کی قومیں اس تعلیم کی طرف توجہ نہیں کریں گی۔ دنیا کی عورت کو یہ محسوس ہونا چاہئے کہ احمدی عورت زیادہ خوش ہے اور زیادہ مطمئن ہے، اس کے گھر میں جنت ہے، اس کے پاؤں تلے جنت ہے، آئندہ نسلوں کو بھی وہ جنت کا پیغام دے رہی ہے اور موجودہ نسل کو بھی جنت کی طرف بلا رہی ہے۔ پاؤں تلے جنت ہونے کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ آئندہ نسلوں کے لئے وہ ایسی جنت کا سامان چھوڑ رہی ہے کہ ان کی پاکیزہ نسلوں کو دیکھ کر لوگ ان ماؤں پر سلام بھیجیں گے اور ان کے لئے رحمت کی دعا کریں گے کہ بڑی ہی خوش قسمت مائیں تھیں جنہوں نے ایسے بچے پیدا کئے۔ پس اس نقطہ نگاہ سے مرد پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ لازماً مرد کو ادا کرنی چاہئیں۔

یہ درست ہے کہ بعض دوسرے جرائم اور بھیانک نظام شکنی کے نتیجہ میں مقاطعہ کی یا نظام جماعت سے اخراج کی سزائیں دی جاتی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو مرد بنیادی انسانی حقوق ادا نہیں کر سکتا اور جس میں رحمت اور شفقت نہیں ہے وہ اسلام کی طرف منسوب ہونے کا اہل ہی نہیں ہے۔ اگر اس کا خیال ہے کہ وہ گھر میں ظلم و ستم روا رکھ کر اور غریب عورتوں کو دکھ دے کر اور محض تشدد کی مشین بن کر اسلامی حقوق ادا کر رہا ہے اس لئے وہ جنت میں چلا جائے گا تو یہ اس کا وہم ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی نمازیں کیوں نہ پڑھے وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ وہ جنت الحمقاء میں تو جا سکتا ہے لیکن اس جنت میں نہیں جا سکتا جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے لئے بنائی گئی ہے۔

ہمارے معاشرے میں غریب گھروں کے کچھ ایسے دکھ ہیں جو ہماری زندگی کا ایک حصہ

بن گئے ہیں۔ بچے پیدا ہو رہے ہیں لیکن ان کے لئے پورے سامان مہیا نہیں ہیں۔ نہ کپڑے ہیں نہ دیکھ بھال کا پورا انتظام ہے۔ پھر گرمیوں میں مچھروں کی وجہ سے راتوں کو جاگنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں وبائی بیماریاں ہیں جو پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ مرد محسن بھی ہوں تب بھی عورتیں ان مصیبتوں کی چکی میں پیسی جاتی ہیں۔ سارا دن مردوں کے کھانے پکانے، بچوں کی دیکھ بھال، ان کے گند صاف کرنے، راتوں کو ان کے لئے جاگنا، ان کی بیماریوں میں ان کے لئے تڑپنا اور خدمت کرتے کرتے راتوں کے بعد راتیں اپنی نیند حرام کر دینا اور بعض اوقات سکون کا لمحہ بھی نصیب نہ ہونا، ان حالات سے عورت کو بہر حال دو چار ہونا پڑتا ہے۔ اگر مرد شفیق بھی ہو تب بھی یہ بڑی سخت زندگی ہے۔ خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم ان سارے دکھوں کو دور کریں لیکن یہ دور آنے پر خدا جانے کتنا وقت لگے گا۔ مگر یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ ان دکھوں میں مرد ایک یہ لعنت داخل کر دے کہ وہ ظالم بن جائے اور عورت کا احسان مند ہونے کی بجائے اس پر تحکم کرے اور اس پر بدظنیاں کرے۔ وہ اس کے لئے بچے پیدا کرے اور مرد کہے کہ تم بد چلن ہو۔ ایسا ظالم اور سفاک ہو کہ اس کو کسی طرح چین نہ لینے دے اس کا جسم بھی جہنم میں جھونک دے اور اس کی روح بھی جہنم میں جھونک دے۔ ایسا شخص تو انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے کجا یہ کہ وہ اسلام کی طرف منسوب ہو اور اسلام بھی وہ جو آج احمدیت کی شکل میں دنیا کے سامنے نمودار ہوا ہے جس پر ابھی لمبا زمانہ نہیں گزرا۔

پس ایسے مردوں کو میں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی اصلاح کریں۔ اسی طرح جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ نگرانی کریں کہ اگر ایسے مردوں کی اصلاح نہ ہوئی اور وہ ظلم اور سفاکی سے باز نہ آئے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ان کو جماعت سے الگ کر دیا جائے۔ جس اسلام کو جماعت احمدیہ پیش کرے گی لازماً اس کے نیک نمونے ساتھ لے کر چلے گی ورنہ ہمیں فتح نصیب نہیں ہوگی۔ ان بدنمونوں کو اپنے پہلو میں سمیٹ کر چلنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ پس اگر وہ اسلام کا ایک پاک نمونہ پیش کر کے جماعت کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں تو وہ جماعت کے ساتھ بے شک چلیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ پہلے سے بڑھ کر پاک نمونے پیش کریں۔ ان کے گھروں میں ایسی عورتیں ہوں جو گواہی دیں کہ ہمارے مرد دوسرے مردوں سے زیادہ رحیم، زیادہ شفیق اور زیادہ محبت اور پیار کرنے والے اور ہمارا زیادہ خیال رکھنے والے ہیں۔ اگر وہ ایسے ہیں تو وہ حق رکھتے ہیں کہ احمدیت

کے قلعے میں شامل رہیں۔ لیکن اگر انہوں نے احمدیت کے ساتھ چل کر ایسے مناظر پیش کرنے ہیں جن کو دیکھ کر گھِن آتی ہے تو بہتر ہے کہ وہ خود الگ ہو جائیں۔ اگر وہ خود الگ نہیں ہونگے تو نظام جماعت کو انہیں الگ کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم عورتوں کے حقوق پوری طرح ادا کریں۔ جماعتیں اس بات کی نگرانی رکھیں اور حتی المقدور پیار اور محبت کے ساتھ پہلے اصلاح کی کوشش کریں۔ اگر جماعتیں ان کی اصلاح میں ناکام ہو جائیں تو پھر مجھے لکھیں کہ فلاں فلاں مرد ایسے ہیں جو ہرگز احمدی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ ہم جلد از جلد معاشرے کی ساری بیماریوں کو دور کر سکیں۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

خطبہ میں میں نے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس میں جو پہلی نسل یعنی بیوہ کا دکھ ہے جو خاوند کے ڈوب جانے کے حادثے کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ جماعت احمدیہ بھی ایک حد تک یوں اس کی ذمہ دار ہے کہ بیوہ کا دکھ کم کرنے اور نگہداشت کرنے کی ذمہ داری جماعت سنبھالتی۔ آخر اسلام نے بیوگان کی نگہداشت کے بارہ میں اور ان کی دوبارہ شادیوں کے بارہ میں جو تعلیم دی ہے اگر احمدی سوسائٹی اس طرف توجہ نہ کرے اور فوری طور پر بیوگان کی سرپرست نہ بن جائے، اسلامی تعلیم بتا کر ان کی غلط قدروں کو زائل کرنے کی کوشش نہ کرے اور ان کو صحیح اسلامی تعلیم سے آگاہ کر کے اچھے نیک مردوں سے جو یتامیٰ کا خیال رکھ سکیں ان کی دوبارہ شادی کا انتظام نہ کرے تو اس بے اعتنائی کی وجہ سے پہلی نسل کے دکھ میں جماعت بھی کسی حد تک شریک ہو جاتی ہے۔

خطبہ میں میں یہ بات بھی بتانی چاہتا تھا لیکن اس وقت نظر سے رہ گئی۔ اب اس کو بھی شامل کر لیں کہ جہاں بھی بیوگان اور یتامیٰ پائے جائیں جماعتیں فوری طور پر ان کی سرپرستی کا انتظام کریں اور ان کی مادی ضروریات کے علاوہ اخلاقی اور روحانی ضروریات کا بھی خیال رکھیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ / مارچ ۱۹۸۳ء)